جمعیت اشاعت اہلسنت نور مسجد، کاغذی بازار، کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

نام کتاب	———	سیرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ
مصنف	———	خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب علیہ الرحمہ
ضخامت	———	۳۲ صفحات
اشاعت نمبر	———	۵۱
تعداد	———	۲۰۰۰
سن اشاعت	———	مئی ۱۹۹۷ء
ہدیہ	———	دعائے خیر بحق معاونین

مفت ملنے کا پتہ

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار، کراچی ۷۴۰۰۰

پیش لفظ

بطل حریت، مجاہد ملت، میر کاروان جنگ آزادی، امام المنطق و الفلسفہ حضرت علامہ مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ وہ مظلوم اور کشتہ اغیار شخصیت ہیں کہ جو جس قدر قد آور، لائق تذکرہ اور قابل تحسین ہیں اتنا ہی ان کے ساتھ بے اعتنائی اور بے رخی برتی گئی۔ اگر پس منظر کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو اس کے پیچھے ایک ایسے گروہ کی کارفرمائی نظر آتی ہے جس کی غیرت و حمیت مر چکی ہے۔

اس گروہ نے جلسازی اور خبث باطنی سے ایک ایسی شخص کو کہ جو کبھی شریک کارواں بھی نہ تھا اس کو تو صفحات تاریخ پر میر کارواں بنا کر پیش کیا میری مراد اسماعیل دہلوی قتیل سے ہے جسے وہابی گروہ جنگ آزادی کا مجاہد اور شہید کا خطاب دیتے ہیں حالانکہ اسی اسماعیل دہلوی کا منہ فرنگیوں کو سرکار انگریز، سرکار انگریز کہتے نہ تھکتا تھا، اور جو سرحد کے مقام پر غیور پٹھانوں کے ساتھ اپنے مفادات کی جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔

اس واقعہ کو امام اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں قلمبند کیا ہے۔

وہ وہابیہ نے دیا جسے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلی نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

جبکہ اس کے برعکس یہ بد باطن گروہ ایک ایسے مرد مجاہد پر کہ جس نے اس وقت علم جہاد بلند کیا جب چہار جانب سرد مہری اور مایوسی کا راج تھا یہ وہ وقت تھا جب فرنگی ظلم و استبداد زوروں پر تھا اس وقت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے فتوی جہاد صادر فرمایا جس کے جرم میں انگریزوں نے علامہ علیہ الرحمہ کو جزائر انڈیمان (کالا پانی) کی سزا سنائی جہاں آپ نے وصال پایا۔

تاریخ کا افسوس ناک ترین پہلو تو یہ ہے کہ دیوبندی اپنے محسن کو کہ جن کی درسی کتابیں آج بھی مدارس دیوبند میں پڑھائی جاتی ہیں کی تعریف و توصیف تو ایک طرف ان پر اس بری طرح طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ الامان و الحفیظ۔

میری ان حضرات سے مودبانہ التماس ہے کہ جو ارباب اختیار ہیں یا جن کی حکومتی سطح پر رسائی ہے وہ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے ساتھ ہونے والی اس تاریخی زیادتی کا کوئی تدارک کریں اور اس مرد جلیل کو صفحہ تاریخ پر ان کا وہ مقام دلائیں جو کہ ان کا حق ہے۔

ادنیٰ غلام فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ
محمد ذیشان قادری

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

منطق و فلسفہ کے امام، مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی شہرت و ناموری کے جہاں اور علل و اسباب ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت فلسفہ کے امام ہونے کی حیثیت سے ہے۔ اس لیے علامہ کے حالات زندگی پر قلم اٹھانے سے پہلے مناسب ہے کہ فن منطق و فلسفہ پر تھوڑی سی گفتگو کرلی جائے۔

علم منطق کا باضابطہ اظہار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوا۔ مخالفین توحید و رسالت کو عاجز و ساکت کرنے کے لیے انہوں نے بطور معجزہ استعمال کیا پھر ان علوم کو یونانیوں نے اپنایا۔ چنانچہ یونان میں بڑے رتبے کے درج ذیل یہ پانچ فلسفی گذرے ہیں۔

(۱)بندقیس : ۵۰۰ ء قبل مسیح زمانہ داؤد علیہ السلام میں گذرا " حضرت لقمان سے علم و حکمت حاصل کرنے کے بعد یونان واپس آگیا "۔

(۲) فیثا غورس : یہ اصحاب سلیمان علیہ السلام کا شاگرد تھا۔

(۳)سقراط : یہ فیثا غورس کا شاگرد تھا۔ بتوں کی پرستش سے مخلوق کو روکنے اور دلائل کے ساتھ خالق باری کی طرف توجہ دلانے پر بادشاہ وقت نے قید کرا کے زہر دلایا۔

(۴)افلاطون : یہ بھی فیثا غورس کا شاگرد تھا اور خاندان اہل علم سے تھا سقراط کی موجودگی میں قریب قریب گمنام سا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنا نام پیدا کیا۔

(۵)ارسطاطالیس : نیقوما خوش کا بیٹا تھا اور صاحب المنطق کے لقب سے مشہور ہوا۔

بعد کے سارے فلاسفہ ارسطاطالیس ہی کے رہین منت اور خوشہ چیں ہیں ان

پانچ کے بعد دوسرے درجے پر " تالیس المطلی " صاحب فیثا غورس " ذی مقراطیس " اور " انکسا غورس " ہیں اور ارسطو کی کتابوں کے شارح ہونے کی حیثیت سے حسب ذیل نو فلسفی مشہور ہیں

(۱) تاؤ فرسطس (۲) اصطفن (۳) لیس یحییٰ بطریق اسکندریہ (۴) امونیوس (۵) سلیقوس (۶) شباؤن (۷) فرفوریوس (۸) ثامیطوس (۹) افرودیسی۔

یونان میں بعض دوسرے فنون کے بھی بڑے بڑے کاملین گزرے ہیں مثلاً بقراط و جالینوس علم طبیعات و طب میں "اقلیدس" علم ہندسہ میں "ارشمیدس" علم الاذائر میں "بطلیموس" اور "دیو جانس کلبی" علم المناظرہ والنجوم میں آپ اپنی نظیر تھے

مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے عباسیہ خاندان کے خلیفہ ثانی ابو جعفر منصور نے علم فقہ کے ساتھ "فلسفہ" "منطق" اور "ہیئت" کو بھی حاصل کیا۔

اس کے کاتب عبداللہ ابن المقفع الخطیب الفارسی مترجم " کلیلہ ومنہ " نے ارسطو کی حسب ذیل تین کتابیں عربی میں ترجمہ کرکے منطقی کے لقب سے شہرت حاصل کی۔

۱) قاطیغوریاس (۲) ارمنیاس اور (۳) انولوطیقا

خاندان عباسی کا ساتواں نامور خلیفہ مامون رشید ۱۹۸ ھ میں جب تخت خلافت پر بیٹھا تو اپنے ذوق کی بنا پر ان فنون کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ مامون کے لکھنے پر [8] روم نے ارسطو کی کتابوں کا ذخیرہ بھیج دیا۔ (وزیر جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں اس کی تفصیل درج کی ہے)۔

پھر چوتھی صدی ہجری میں شاہ منصور ابن نوح سامانی کی درخواست پر حکیم ابونصر فارابی نے ان کو مرصع و مہذب کرکے معلم ثانی کا لقب حاصل کیا۔

سلطان مسعود نے شیخ الرئیس ابوعلی ابن سینا المتوفی ۴۲۷ ھ بمطابق ۱۰۳۷ء کو اپنا وزیر بنا کر تصانیف فارابی سے اقتباس کرا کے کتابیں لکھوائیں۔ سوء اتفاق کہ اس جانکاہی و سر مغزی کے بعد کتب خانہ نذر آتش ہوگیا تو ابن سینا محافظ علوم بن گئے۔

چنانچہ اب جو کچھ ہے اسی کی محنت کا ثمرہ ہے۔

اس کے بعد ابو محمد ابن احمد اندلسی و محمد زکریا بازاری صاحب تصانیف کثیرہ المتوفی ۳۲۰ ھ بمطابق ۹۳۲ ء نے بھی چوتھی صدی ہجری میں اس پودے کو پروان چڑھانے میں کسر اٹھا نہ رکھی۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد "امام ابو حامد محمد ابن غزالی" المتوفی ۵۰۵ ھ علامہ ابن ارشد المتوفی ۱۱۹۸ء امام فخرالدین رازی المتوفی ۶۰۶ ھ، ابن تیمیہ الحرانی ۷۲۸ ھ بمطابق ۱۳۲۷ء نجم الدین **مخجوانی**، ابن سہلان اور افضل الدین خونجی وغیرہم نے ان فنون میں نئی نئی باریکیاں پیدا کیں۔ ابن خلدون نے ان تمام حضرات کا تذکرہ بڑے عمدہ پیرایہ میں کیا ہے۔

اس کے بعد نصیرالدین محقق طوسی، قطب الدین رازی، صدرالدین شیرازی، ملا جلال محقق دوانی، ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ و فرائد وغیرہم نے اس فن کو چار چاند لگائے۔ یہاں تک کہ سلاطین مغلیہ کے عہد میں عرب و عجم کے اہل فضل و کمال کا ایک جم غفیر تھا۔ حضرت امیر خسرو نے یکے بعد دیگرے سات بادشاہوں سے اعزاز حاصل کیا۔ مختلف انقلابات دیکھے مگر ہندوستان سے منہ نہ موڑا۔

شعراء میں نظیری نیشاپوری، ملک قمی، عرفی، شیرازی، ظہوری، غزالی، مشہدی، عالی شیرازی، کلیم ہمدانی، غنی کشمیری۔

کتابوں میں "شیریں قلم"۔ "زریں قلم"۔ "ہفت قلم"۔

علماء میں شیخ حسین وصی، مولانا فتح اللہ شیرازی المتوفی ۹۹۷ ھ۔ مولانا مرزا سمرقندی، میر اسلم ہروی المتوفی ۱۰۶۱، میر زاہد ہروی المتوفی ۱۱۱۱ ھ، مولانا میر کلاں... معلم جہانگیر المتوفی ۹۸۳ ھ، مولانا صدر جہاں، مولانا غازی خاں بدخشی وغیرہم جیسی علمی شخصیتوں سے ہندوستان جنت نشاں بن گیا تھا۔ غرضیکہ ہر چہار طرف علوم ظاہری اور باطنی کے چشمے ابل رہے تھے۔

مسلمان بادشاہوں کی قدر دانی و علم دوستی کے صرف دو واقعے بطور شہادت پیش کیے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ علم وفنون جو آج صرف الماری کی زینت ہیں یا جن کی درس و تدریس کا سلسلہ مسجد یا خانقاہ کی بوسیدہ چٹائیوں پر جاری ہے کسی وقت سلاطین کے دربار میں ان کی کیا قدر و قیمت تھی۔

سلطان محمد ابن تغلق شاہ نے مولانا معین الدین عمرانی دہلوی کو قاضی عضد الدین صاحب مواقف کی خدمت میں شیراز بھیج کر درخواست کی کہ ہر قیمت پر ہندوستان تشریف لا کر متن مواقف کو میرے نام معنون کر دیجئے۔

سلطان ابو اسحاق والی شیراز کو پتہ چلا تو دوڑا ہوا علامہ قاضی عضد الدین کی خدمت میں پہنچ کر عرض پرداز ہوا کہ ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ تخت سلطنت کی خواہش ہو تو دست بردار ہونے کو تیار ہوں مگر خدا کے لیے شیراز کو یتیم نہ بنائیے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی قدر دانی سے متاثر ہو کر ارادہ بدل دیا اور سلطان ہی کے نام پر کتاب معنون کر کے ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا۔

دوسرا واقعہ علامہ امیر فتح اللہ شیرازی سے متعلق ہے۔ عادل شاہ بیجاپوری نے ہزاروں خواہشوں کے ساتھ دکن بلا کر اپنا وکیل مطلق بنا دیا اور ۹۸۱ ھ اکبر بادشاہ نے صدر کل بنا کر ۹۹۳ ھ میں امیر الملک اور عضد الدولہ کے خطاب سے نوازا۔

ہندوستان کے مشاہیر علماء ان کے حلقہ درس میں شریک رہے اور انھیں کے زمانے سے علوم عقلیہ کو شاندار فروغ حاصل ہوا۔ ۹۹۷ ھ میں ان کے انتقال پر اکبر بادشاہ نے بڑا غم کیا۔(جس کی تفصیل ماثر الکرام میں موجود ہے) البتہ فیضی کا ایک شعر سن لیجئے۔

شہنشاہ جہاں رادر و فاتش سینہ پر نم شدہ   سکندر اشک حسرت ریخت کافلاطوں زعالم شد

یہی وہ قدر دانی و عزت افزائی تھی جس کے باعث حضرت علامہ فضل حق کے

مورثانِ اعلیٰ شمس الدین اور بہاء الدین دونوں بھائیوں نے بھی ہندوستان کو رونق بخشی۔

ولادت اور نسب

علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر البلاد خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی علماء عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز تھے۔ حضرت علامہ کے دادا حضرت مولانا ارشد ہرگام پور سے خیر آباد تشریف لاکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔

شجرہ نسب

(۱) مولانا فضل حق ابن (۲) مولانا فضل امام (۳) ابن مولانا شیخ محمد ارشد (۴) ابن حافظ محمد صالح (۵) ابن ملا عبد الواجد (۶) ابن عبدالماجد (۷) ابن قاضی صدر الدین (۸) ابن قاضی اسماعیل ہرگانوی (۹) ابن قاضی بدایونی (۱۰) ابن شیخ ارزانی (۱۱) ابن شیخ منور (۱۲) ابن شیخ نظیر الملک (۱۳) ابن شیخ سالار شام (۱۴) ابن شیخ وجیہہ الملک (۱۵) ابن شیخ بہاء الدین (۱۶) ابن شیر الملک شاہ ایرانی (۱۷) ابن شاہ عطاء الملک (۱۸) ابن ملک بادشاہ (۱۹) ابن حاکم (۲۰) ابن عادل (۲۱) ابن تارون (۲۲) ابن جرجیس (۲۳) ابن احمد نامدار (۲۴) ابن محمد شہریار (۲۵) ابن محمد عثمان (۲۶) ابن دان (۲۷) ابن ہمایوں (۲۸) ابن قریش (۲۹) ابن سلیمان (۳۰) ابن عفان (۳۱) ابن عبداللہ (۳۲) ابن محمد (۳۳) ابن عبد اللہ ... ابن ... امیر المومنین خلیفہ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس طرح تینتیس (۳۳) واسطوں سے خلیفہ ثانی تک نسب گرامی پہنچتا ہے۔

علامہ کے مورث اعلیٰ شیر الملک ابن شاہ عطاء الملک ایرانی کے مورثان ایک قطع ملک ایران پر قابض و حکمران تھے۔ زوال ریاست پر دولت علم کمائی۔ شیرالملک

کے دو صاجزادے بہاء الدین اور شمس الدین ذی علم بزرگ تھے۔ یہ دونوں بھائی ایران، ہندوستان وارد ہوئے۔

مولانا شمس الدین نے مسند افتاء رہتک سنبھالی۔ حضرت شاہ ولی اللہ ابن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی انھیں کی اولاد سے تھے۔ اور مولانا بہاء الدین قبتہ الاسلام بدایوں کے مفتی ہوئے ان کی اولاد میں شیخ ارزانی بدایونی نامور بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے مفتی ہوئے۔

شیخ عمادالدین ابن شیخ ارزانی تحصیل علم کی خاطر قاضی ہرگام (ضلع سیتا پور اودھ) کی خدمت بابرکت میں پہنچے۔ قاضی صاحب نے تحقیق و شرافت و نجابت کے بعد اپنا داماد بنا لیا اور ان سے شیخ اسمٰعیل پیدا ہوئے جن کی شادی شیخ سعدی کاکوروی کی دختر سے ہوئی ان سے قاضی صدر الدین پیدا ہوئے قاضی صاحب کے دو صاجزادے ہوئے ایک صاجزادے " ملا عبد الواعظ " جو اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے اتالیق رہے اور فتاوی عالمگیری کے مؤلفین سے ہیں۔

اس کے علاوہ " ہدایہ " " مطول " اور "ملا جلال " پر حاشیے لکھے۔ ان کی شخصیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ملا قطب الدین شہید سہالوی (والد استاد الکل ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محل) ان سے ملاقات کے لیے ہرگام پہنچے تھے " ملا محب اللہ بہاری صاحب سلم " آپ کے درس میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ آپ کے پاس وقت نہ تھا۔ اس لیے سہالی جاکر ملا قطب الدین شہید کے شاگرد ہوئے۔

دوسرے صاجزادے " ملا عبدالماجد ابن ملا عبدالواجد " فاضل جلیل تھے "کافیہ کی مبسوط شرح " اور" حاشیہ اقلیدس " لکھا اور " تعلیقات متفرقہ ہدایہ " پر لکھی۔ بہادر شاہ اول کے زمانے میں آتشزدگی کی وجہ سے تمام کتب خانہ جل گیا۔ ہرگام میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

علامہ فضل حق کے دادا شیخ محمد ارشد نے ہرگام کو خیرباد کہہ کر خیر آباد کو آباد کیا۔

موصوف کی دوسری بیوی سے علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی تھے۔

مختصر حالات مولانا فضل امام خیر آبادی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ فضل حق کی تاریخ تشنہ تکمیل رہ جائے گی اگر علامہ کے والد محترم مولانا فضل امام خیر آبادی کے حالات زندگی نہ پیش کیے گئے اس لیے ضمناً مولانا کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا فضل امام بڑے طباع اور ذہین تھے۔ مولانا سید عبدالماجد کرمانی خیر آبادی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ انھیں سے حاصل کیا "میرزاہد رسالہ" اور "میرزاہد" ملا جلال پر حواشی لکھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بیسیوں مفید اور معرکۃ الاراء کتابیں لکھی ہیں جن کا نام معلوم ہو سکا وہ درج کی جاتی ہیں

منطق میں مشہور تصنیف "مرقات" ہے جو تمام مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے "حاشیہ افق المبین" "تلخیص الشفاء" "نخبتہ السر" اور "آمدنامہ" تصنیف کیا۔ ان میں سے بعض کتابیں غیر مطبوعہ ہیں جن میں سے بعض مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور لاہرپور اور بعض عبید اللہ خاں رئیس ٹونک کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

علمی قابلیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک جانب شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ڈنکا منقولات میں بج رہا تھا اور دوسری طرف اسی دہلی میں مولانا فضل امام کے معقولات کا سکہ چل رہا تھا۔ ہند و بیرون ہند کے طلبا دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے سرسید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے آثار الصنادید میں مولانا فضل امام کا تذکرہ جس عقیدت مندی سے کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ابتدا ان صفات و القاب سے کی ہے۔

"اکمل افراد نوع السنی' مہبط انوار فیوض قدسی' سراب سرچشمہ عین الیقین'

موسس اساس ملت دین' ماحی آثار جہل بادم بنائے اعساف' محی مراسم علم بانی مبانی انصاف' قدوہ علماء فحول' حاوی معقول و منقول' سند اکابر روزگار' مرجع اعالی و دانی ہر دیار' مزاجدان شخص کمال' جامع صفات جلال و جمال' مورد فیض ازل و ابد' مطرح انظار سعادت سرمد' مصداق مفہوم تمام اجزاء واسطہ العقد' سلسلہ حکمت اشراقی و مشائی' زبدۃ کرام اسوہ عظام' مقتدار انام' مولانا مخدومنا مولوی فضل امام اوخلہ اللہ المقام فی جنتہ النعیم بلطفہ العمیم"۔

مجھے حیرت ہے علماء دیوبند پر جو "شاہ ولی اللہ صاحب" کے حالات زندگی پر قلم اٹھاتے ہیں لیکن اپنے ان محسنین کو نہ صرف نظرانداز ہی کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات انھیں مطعون و متہم بھی قرار دیتے ہیں کاش علماء دیوبند حقیقت پسندی سے کام لیتے اور ٹھنڈے دل سے سوچتے کہ انکے وہ محسنین جن کی کتابیں آج بھی دارالعلوم دیوبند میں داخل نصاب ہیں انکے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے۔ کیا مولانا فضل امام و علامہ فضل حق اسی سب و شتم کے مستحق ہیں جس گھناؤنے انداز میں علماء دیوبند انھیں یاد کرتے ہیں۔

برا ہو اس عصبیت و تنگ نظری کا جس نے اپنے و بیگانے کی بھی تمیز باقی نہ رکھی۔ سچ تو یہ ہے کہ علماء دیوبند گالی دینے میں اپنی فطرت و عادت سے مجبور ہیں جب علماء دیوبند رسول خدا ﷺ کو گالی دینے میں نہیں چوکتے تو مولانا فضل امام و علامہ فضل حق کس شمار و قطار میں ہیں۔

یہی ہیں وہ علماء دیوبند جنھوں نے اپنی کتابوں میں محبوب کردگار رسول کائنات ﷺ کو چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کمتر لکھا ہے۔ العیاذ باللہ من ذالک۔

چنانچہ مولوی محمد میاں دیوبندی مراد آبادی مؤلف "علماء ہند کی شاندار ماضی" نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ فضل حق خیر آبادی کے دامن علم و

ادب پر کیچڑ اچھالنے کی سعی ناکام کی ہے۔

ہاں اگر " علماء ہند کی شاندار ماضی " کے بجائے " اکابر جمعیتہ العلماء ہند کی شاندار ماضی " اس کتاب کا نام ہوتا تو اس نام کے پردے میں مؤلف کو بہت کچھ کہنے کا اختیار تھا لیکن جب کہ کتاب کا سرورق علماء ہند کے جلی قلم سے آراستہ ہو تو مؤلف کا کس قدر بخل ہے کہ دوسرے علماء ہند کو نہ صرف ناقابل اعتناہی تصور کیا بلکہ شہرہ آفاق و نامور علماء اہل سنت کو مطعون و متہم قرار دیا بات اپنے موضوع سے دور ہوگئی مجھے ذیلی طور پر مولانا فضل امام رحمتہ اللہ تعالی علیہ کے بارے میں ایک اجمالی نقشہ پیش کرنا ہے۔

حضرت مولانا فضل امام علوم ظاہری کے ساتھ روحانیت میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے آپ کے والد شیخ محمد ارشد مولانا احمد ابن حاجی صفت اللہ محدث خیر آبادی سے بیعت تھے آپ کے ایک صاجزادے عالم جوانی میں قضا کر گئے باقی باقتضا نو عمری احکام شرعیہ کے پابند نہ تھے اس لیے مولانا ارشد صاحب کو تشویش رہتی تھی اور ایک بار عالم اضطراب و بے چینی میں پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ طریقت سے دعا کی درخواست کی اور مرشد کامل نے دعافرمائی۔ چنانچہ شب میں سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی کہ سرکارکائنات ﷺ پکے باغ میں تشریف لائے اور بیل کے درخت کے نیچے وضو فرمایا اور بعد نماز فرض پیرو مرید دونوں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے روانہ ہوئے۔ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو بشارت کا حال بتایا اور وہیں سے دونوں پکے باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ مقام مسعود پر وضو کا اثر یعنی پانی کی تری موجود تھی۔ ایک عرصے تک لوگ اس جگہ کی زیارت کرتے رہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب بریلوی رحمتہ اللہ تعالی علیہ مقتدا ملت تاجدار اہل سنت سیدی امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ

کو ۱۳۰۹ ھ میں ساتھ لے کر بریلی شریف سے خیر آباد اس مقام کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور مولانا حسن بخش کے یہاں مہمان ہوئے تھے۔ افسوس نہ اب وہ مکان باقی رہا اور نہ ہی اس جگہ کا پتہ چل سکتا ہے۔

مولانا فضل امام کے ہزاروں تلامذہ میں مفتی صدر الدین اور علامہ فضل حق شہرہ آفاق ہیں۔ مفتی صدرالدین صاحب دہلی میں ۱۲۰۴ ھ مطابق ۱۷۹۹ ء میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت " چراغ " ہے باپ دادا کشمیری تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب اور فضل امام کے شاگرد رشید اور علامہ فضل حق کے ہم سبق تھے۔ ۱۸۵۷ ء کے ہنگامے میں بغاوت کے الزام میں قید کر لیے گئے جائیداد ضبط کرلی گئی۔ ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۲۵۸ ھ مطابق ۱۸۶۸ ء میں وفات پائی۔

" چراغ دو جہاں بود " مادہ تاریخ ہے مرزا غالب بھی جو مفتی صدرالدین صاحب اور علامہ فضل حق کے جلیس و ہم نشین تھے۔ اسی سال راہی ملک عدم ہوئے حضرت فضل امام خیر آبادی نے ۵ ذیقعدہ ۱۲۴۰ ھ مطابق ۱۸۲۴ ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرزا غالب نے حسب ذیل تاریخ وفات لکھی۔

اے دریغا قدوہ ارباب فضل — کرد سوئے جنت الماوی خرام
چوں ارادت از پے کسب شرف — جست سال آں عالی مقام
چہرہ ہستی خراشیدم نخست — تا بنائے تخرجہ گرود تمام
گفتم اندر سایہ لطف نبی — باد آرامش گہہ فضل امام

حضرت علامہ فضل حق

آ چشم آرزو کی گھر باریاں تو دیکھ
لٹتے ہیں صبح و شام خزانے نئے نئے

علامہ کی تعلیم و تربیت :

مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی تو گرد و پیش علم و فضل، عمارت و ریاست کو جلوہ گر دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ صاحبزادے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد مادی ریاست سے محروم ہو کر بھی مستغنی اور کوہ وقار رہے ہندوستان کے مشہور مردم خیز قصبات میں خیر آباد کا نام بھی صدیوں سے رہا ہے۔ شاہی زمانہ میں کمشنری کا پایہ تخت بھی رہ چکا ہے۔ بڑے بڑے علماء و مشائخ کے مزارات آج بھی زیارت گاہ خلائق ہیں جس وقت علامہ فضل حق خیر آباد سے دہلی پہنچے تو ایک سے ایک بڑھ کر باکمال نظر آئے۔ مفسرین، محدثین، فقہاء، فلاسفہ اولیاء، شعراء...... جس طبقے پر نظر ڈالیئے تو سب ہی موجود تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام مکان کے علاوہ ہاتھی اور پالکی پر بھی دربار آتے جاتے وقت ساتھ بٹھا کر درس دیتے تھے۔ اور صغر سنی ہی میں معقولات میں اپنے جیسا یگانہ روزگار بنا لیا تھا اور منقولات کی تحصیل کے لیے شاہ عبدالقادر محدث رحمتہ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز محدث رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی درس گاہ میں پہنچا دیا۔

ذکاوت و ذہانت :

چنانچہ حضرت علامہ نے ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۰۹ء تیرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی اور چار ماہ کچھ روز میں قرآن شریف حفظ کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب رد شیعہ میں "تحفہ اثنا عشری" تحریر فرمائی تو شیعان ہند کی طرح ایران میں بھی ہیجان پیدا ہوا۔ ایران سے میر باقر داماد "صاحب افق المبین" کے خاندان کا مجتہد فریقین کی کتابیں لے کر شاہ صاحب سے مناظرہ کے لیے دہلی پہنچا۔ خانقاہ میں داخل ہونے پر شاہ صاحب نے فرائض میزبانی ادا فرماتے ہوئے قیام کے لیے مناسب جگہ تجویز فرما دی۔ شام کو مولانا فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی اور بعد مغرب

مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ مجتہد صاحب نے پوچھا، میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا "اشارات" "شفا" اور "افق المبین" وغیرہ دیکھتا ہوں مجتہد صاحب کو بڑی حیرت ہوئی اور "افق المبین" کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا علامہ فضل حق نے ایسی مدلل تقریر کی کہ متعدد اعتراضات "صاحب افق المبین" پر کر گئے معزز مہمان نے اعتراضات کے جواب دہی کی کوشش کی تو ان کو جان چھڑانا اور بھی دو بھر ہو گئی جب خوب عاجز کر لیا تو اپنے شبہات کے ایسے انداز میں جوابات دیئے کہ تمام ہمراہی علماء بھی انگشت بدنداں ہوگئے آخر میں یہ بھی اظہار کر دیا کہ میں شاہ صاحب کا ادنیٰ شاگرد ہوں اور اظہار معذرت کے بعد رخصت ہوگئے علماء ایران نے اندازہ کر لیا کہ جب خانقاہ کے بچوں کے علم و فضل کا یہ عالم ہے تو شیخ خانقاہ کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ صبح کو خیریت طلبی مہمان کے لئے شاہ صاحب نے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ مجتہد صاحب آخری شب میں دہلی سے روانہ ہو چکے ہیں۔

ایک لطیفہ :

دہلی کے کسی پل پر کسی وجہ سے آمدورفت ممنوع قرار دے دی گئی تھی علامہ کے پاس کچھ لوگ آئے اور ایک بارات لیجانے کی بصد منت و سماجت اجازت چاہی علامہ نے ایک دستخطی پرچے پر لکھ دیا " روکو مت جانے دو " محافظین نے پرچہ دیکھ کر بارات کو نکل جانے دیا حکومت کی طرف سے جواب طلب کیا گیا علامہ نے اپنی زیرکی و دانائی سے فرمایا، میں نے تو لکھا تھا " روکو! مت جانے دو "اس سے غریبوں کا بھی کام نکل گیا اور اپنے اوپر الزام بھی نہ آنے دیا۔

سخن فہمی :

عام علماء کی طرح علامہ شعر و سخن کے فن سے بے خبر نہ تھے شعر گوئی کے مانند سخن فہمی میں بھی کمال حاصل تھا وطن مالوف خیر آباد جہاں علماء و صلحاء کا منبع و مسکن چلا آرہا تھا وہیں لکھنؤ کے قرب اور اپنی زمین مردم خیز کی وجہ سے معدن شعراء بھی بنا

ہوا تھا علامہ کے دور میں حاجی تراب علی نامی، منشی قدرت حسین قدرت، مولوی مظفر حسین شوخی، منشی محمد جعفر زہری، منشی بہاری لال خاوری، منشی موہن لال گرامی، مولوی الٰہی بخش نازش، مولوی فضل عظیم وغیرہم گلستان شاعری کے مختلف رنگ و بو رکھنے والے شگفتہ پھول تھے اور خیر آباد کی یہی وہ علمی و ادبی فضا تھی جس نے آخری دور میں بھی ریاض، مضطر، وسیم، کوثر، بسمل، نیر اور اختر جیسے صاحب دیوان و باکمال شعراء پیدا کیے جنھوں نے لکھنؤی اسکول کی شان کو چار چاند لگائے۔

علامہ ریذیڈنٹ کے محکمے کے سر رشتہ دار ہوچکے تھے ولی عہد سے دوستانہ مراسم تھے قلعہ میں آمدورفت رہتی تھی بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی، علامہ عبد اللہ خاں علوی، حکیم مومن خاں مومن، مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب ضیاء الدین خاں نیر، شاہ نصیر الدین خاں نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم آغا خاں عیش، حافظ عبدالرحمن خاں احسان، میر حسن تسکین اور نہ جانے کتنے **سخنوران** باکمال کا جمگھٹا تھا، جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ مرزا غالب سے علامہ کے پر خلوص اور گہرے تعلقات تھے علامہ نے مرزا کی اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے چنانچہ حالی نے "آب حیات صفحہ ۵۱۳" پر تذکرہ کیا ہے کہ مولانا فضل حق کی تحریک سے مرزا نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا دو ثلث کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا مرزا غالب نے اسی سے متاثر ہوکر یہ رباعی کہی تھی۔

مشکل ہے زبس کلام مرا اے دل — سن سن کے اسے **سخنوران** کامل
آسان کر نیکی کرتے ہیں فرمائش — گویم مشکل و گر نگویم مشکل

بقول حالی علامہ کی سخن فہمی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرزا کے

ایک فارسی قصیدے کی تشبیب کا شعر ہے۔

چھناں در متق غیب ثبوتے دارند — بوجودے کہ ندارند خارج اعیاں

مذکورہ بالا شعر سے متعلق مرزا غالب نے حالی سے تذکرہ کیا کہ میں نے ثبوتے کی جگہ "نمودے" لکھا تھا مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنایا تو انھوں نے کہا کہ اعیان ثابتہ کے لیے نمود کا لفظ مناسب ہے اس کی جگہ ثبوت بنا دو چنانچہ طبع ثانی میں بجائے نمود کے ثبوت بنا دیا ہے (یادگار غالب، صفحہ ۷۹) اہل علم جانتے ہیں کہ اس اصلاح نے فلسفیانہ اصلاح کے مطابق شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

یہی وہ علل و اسباب ہیں جنھوں نے مرزا غالب کو مسئلہ امکان نظیر اور امتناع نظیر پر قلم اٹھانے کے لیے مجبور کیا مولوی اسمٰعیل دہلوی اور مولوی فضل حق خیر آبادی کے مابین جہاں رفع یدین، آمین **بالجہر** جیسے مسائل پر اختلاف تھا وہیں سب سے اہم مسئلہ امکان نظیر و امتناع نظیر کا تھا۔

اس مسئلہ میں مولوی اسمٰعیل کی رائے یہ تھی کہ خاتم النبیین ﷺ کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور حضرت علامہ ممتنع بالذات مانتے تھے اس مسئلہ پر علامہ کی مستقل کتاب مناظرانہ انداز پر امتناع نظیر کے نام سے ۱۹۰۸ء میں موصوف کے تلمیذ التلمیذ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری رحمتہ اللہ علیہ سابق صدر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام شائع ہوچکی ہے اور حضرت علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصلی مسودہ کتب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے اس کتاب میں رسول ﷺ کی نظیر کے ممتنع بالذات ہونے پر جو دلائل و براہین قائم کئے ہیں انہیں دیکھ کر بے ساختہ مرحبا و احسنت زبان پر آتا ہے حضرت علامہ نے علمی و فنی حیثیت سے وہ گلکاریاں کی ہیں کہ صفحات کتاب تختہ چمنستان بن گئے ہیں یہ تو پہلے گزر ہی چکا

ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب سے علامہ کے بڑے گہرے تعلقات تھے علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر اسی موضوع پر ایک مثنوی لکھ ڈالی جو کلیات غالب میں مثنویات کے سلسلے میں چھٹی مثنوی ہے غالب کے انداز بیان کا یہ کچھ کم کمال نہیں کہ ایسے مشکل مسئلہ کو ایسی روانی اور خوبی سے سمجھا دیا علامہ اور دوسرے اہل فضل و کمال کی صحبت نے غالب کو فی الواقع بنادیا تھا۔

چنانچہ غالب لکھتے ہیں

یک جہاں تاہست یک خاتم بس ست
قدرت حق را نہ یک عالم بس ست

خواہد ازہر ذرہ آرد عالمے
ہم بود ہر عالمے را خاتمے

ہر کجا ھنگامۂ عالم بود
رحمتہ اللعالمینے ھم بود

کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

دریکے عالم دو خاتم مجوئے
صد ہزاراں عالم و خاتم بگوئے

غالب ایں اندیشہ پندیرم ہمی
خردہ ہم بر خویش می گیرم ہمی

اے کہ ختم المرسلینش خواندہ!
دانم از روئے یقینش خواندہ

ایں الف لامے کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست

نشاء ایجاد ہر عالم یکے است
گر دو صد عالم بود خاتم یکے است

منفرد اندر کمال ذاتی است
لا جرم " مثلش " محال ذاتی است

زیں عقیدت بر نگردم والسلام
نامہ را درمی نوردم والسلام

غالب نے ان اشعار میں ابتدائی پانچ شعروں میں اپنی قابلیت سے ایک حل نکالنے کی کوشش کی جس میں دونوں کی بات رہ جاتی اور وہ کہ خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کے لیے بتایا ہے اس میں تو محمد رسول ﷺ کی نظیر پیدا ہونا محال اور ممتنع بالذات ہے لیکن خدا دوسرا عالم بنا کر آدم سے عیسیٰ علیہ السلام تک

اس عالم کے لیے پیغمبر پیدا کرے اور آخر میں محمد رسول ﷺ کو خاتم النبیین ﷺ بنا سکتا ہے اس طرح امکان نظیر کی صورت نکل سکتی ہے مگر پھر آخری چھ اشعار میں اس خیال کو رد کرتے ہوئے حضرت علامہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا ہے اور پھر اسی رائے سے اپنی موافقت ظاہر کرتے ہوئے جس مدلل طریقہ پر اسے ثابت کیا ہے یہ غالب ہی کا حصہ ہے۔

(ثورۃ الہندیہ)

ناظرین نے اس مختصر سی علمی گفتگو کے بعد حضرت علامہ فضل حق کے جلالت علم کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ وہ اپنے معاصرین میں کس درجہ ممتاز و بے نظیر تھے۔ سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے موصوف کے والد ماجد فضل امام کے متعلق جن تاثرات کا اظہار آثار الصنادید میں کیا ہے وہ مولانا کے حالات میں پیچھے گذر چکا ہے علامہ کے متعلق بھی سر سید احمد خاں کی رائے ملاحظہ کرتے چلیں۔

" مستجمع کمالات صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بناء بناء فضل و افضال، بہار آرائے چمنستان کمال، مشکئی اصابت رائے مسند نشین دیوان افکار رسائے، صاحب خلق محمدی، مور سعادت ازلی و ابدی، حاکم و محاکم مناظرات، فرمانروائے کشور محاکمات، عکس آئینہ صافی ضمیری، ثالث اثنین بدیعی و حریری، المعی وقت وموزعی اوان، فرزوق عہد و لبید دوران، مبطل باطل و محقق حق، مولانا محمد فضل حق " یہ حضرت خلف الرشید ہیں جناب مستطاب مولانا فضل امام غفر اللہ لہ 'المنعلم کے اور تحصیل علوم عقلیہ اور نقلیہ کی اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں کی ہے زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے فخر خاندان لکھا اور فکر دقیق نے جب سرکار کو دریافت کیا فخر جہاں پایا۔

" جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بناء ڈالی ہے علماء عصر بلکہ فضلاء دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس گروہ اہل

کمال کے حضور میں بساط مناظرانہ آراستہ کر سکیں بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانہ فن سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے یک حرف سنا دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے بایں ہمہ کمالات علم و ادب میں ایسا علم سرفرازی بلند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارت شستہ محضر عروج معارج ہے اور بلاغت کے واسطے ان کی طبع رسا دست آویز بلندی معارج ہے۔

سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امراء القیس کو ان کے افکار بلند سے دست گاہ عروج' معانی' الفاظ پاکیزہ' ان کے رشک گوہر خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعل ناب سرو' ان کی سطور عبارت کے آگے پابہ گل اور گل ان کی عبارت رنگین کے سامنے خجل "۔

حضرت علامہ کے متعلق مولوی رحمن علی لکھتے ہیں۔

" در علوم منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر فائق الا قران و استحضارے فوق البیان داشت "۔ (تذکرہ علماء ہند)

حضرت علامہ کے متعلق منشی امیر احمد مینائی " انتخاب یادگار " میں رقمطراز ہیں " افضل الفضلاء' اکمل الکملاء' فضائل دستگاہ ' فواضل پناہ' جناب مولانا مولوی فضل حق صاحب فاروقی برد اللہ مضجعہ' فنون حکمیہ میں مرتبہ اجتہاد' بڑے ادیب' بڑے منطقی' نہایت ذہین' نہایت ذکی' طلیق و ذلیق' انتہا کے صاحب تدقیق و تحقیق "۔

مفتی انعام اللہ خاں بہادر شہابی گوپا موئی سرشتہ دار سر ایڈورڈ کوبرک ریذیڈنٹ دہلی لکھتے ہیں۔

" برادرم مولوی فضل حق از فحول علماء زماں و زیگانہ دوراں است خصوصاً در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ و بوفور علم و دانش در اطراف عالم بغایست دریں وقت مشہور است "۔

(خزینتہ الاولیاء)

ایک بار مولوی اکرام اللہ شہابی گوپا موی نے شمس العلماء حضرت مولانا عبد الحق خیر آبادی سے پوچھا بھائی صاحب! دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے؟

مولانا کہنے لگے۔بھیا! ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں۔

" ایک معلم اول ارسطو' دوسرے معلم ثانی فارابی' تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ "۔ (ثورہ الہندیہ)

وقت کے اکابر معاصرین کی شہادتوں کے بعد مرزا حیرت دہلوی اور علماء دیو بند و اراکین جمعیتہ العلماء ہند کی جرات و جسارت پر حیرت ہوتی ہے جو مولوی اسمٰعیل دہلوی کے تذکرہ کے ساتھ حضرت علامہ کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے اور غور کیجئے تو حیرت کی کوئی بات نہیں۔ وہ علماء دیو بند جو آقائے دو جہاں ﷺ کے فضائل و مناقب برداشت نہیں کر سکتے۔اگر وہ فضل حق کے کمالات کے منکر ہوگئے تو حیرت کیوں ہے؟ مردہ قوموں اور بد طینت گروہوں کا خاصا بھی یہی رہا ہے کہ اسلاف پر نکتہ چینی اور بہتان تراشی شعار بنایا گیا ہے۔ غضب کر دیا دیو بندی مکتبہ فکر نے جس نے دعوی اسلام کے باوجود پیغمبر اسلام ﷺ تک کو نہ چھوڑا' کہیں ذرہ ناچیز سے کمتر اور کہیں چمار سے زیادہ ذلیل کہا۔ علماء دیو بند کے سر کردہ مولوی اسمٰعیل نے اسلام کے لیبل پر نئی توحید اور نئی رسالت کا خاکہ کھینچا جس میں روز بروز حضرات دیو بند رنگ بھرتے جارہے ہیں مثلاً علماء دیو بند کا یہ عقیدہ کہ " خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے " یا یہ کہنا کہ " علم غیب اللہ ہی کا خاصہ ہے "" یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے جب چاہیں غیب معلوم کرلیں " معاذ اللہ وہ گویا جاہل ہے اور غیب سے نابلد ہے۔ جب چاہتا ہے معلوم کرلیتا ہے۔ اسی توحید پر آج علماء دیو بند کو غرور ہے۔ ایسے ہی رسول ﷺ کے بارے میں علماء دیو بند کا یہ کہنا کہ " رسول ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے " یا یہ کہنا کہ " نماز میں گائے بیل کا خیال لانے سے نماز ہو جائے گی مگر رسول خدا ﷺ کا خیال لانے سے نماز فاسد ہو جائے گی " یا یہ کہنا کہ " رسول

ﷺ ایسے ہی ہے جیسے گاؤں کا چودھری "وغیرہ وغیرہ ایسے دریدہ دہن و پراگندہ ذہن والے جنھیں تنقیص الوہیت و توہین نبوت میں کوئی اندیشہ نہیں۔ اگر وہ فضل حق اور امام احمد رضا کو گالیاں دیں تو تعجب کیا ہے؟ وہ رسول خدا ﷺ کو گالیاں دیتے رہیں ہم ان پر راہ ہدایت پیش کرتے رہیں۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کیے جاؤ میخوارو کام اپنا اپنا

حضرت علامہ کی سیاسی زندگی :

رگ وپے میں جب اترے زہر غم تو دیکھیے کیا ہے؟
ابھی تو تلخی کام جگر کی آزمائش ہے

حضرت علامہ کا دور مسلمانوں کے حق میں بڑا ہی پر فتن دور تھا۔ سات سو (۷۰۰) سال سے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی۔ تین سو سال سے سلاطین مغلیہ کا ڈنکا بج رہا تھا لیکن ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد اسے گھن لگ چکا تھا۔ ۱۷۹۷ء میں جنگ میسور اور سلطان ٹیپو کی موت نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ ۱۸۰۳ء میں فتح دہلی کے موقع پر لارڈ لیک کے معاہدہ سے اس کے خاتمہ کی نوبت آگئی تھی۔ رہی سہی شان و عزت ۱۸۰۶ء میں اکبر شاہ ثانی کی جاتی رہی۔ علماء اور اولیاء اسلام اپنی روحانیت اور علم و عمل کے ذریعہ استحکام سلطنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ہندوستان کی سیاست میں علماء اسلام کا ہمیشہ سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے آخر دور میں مجدد الف ثانی سے لے کر مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی اور دوسرے مجاہدین ملت اور سر فروشان امت پیش پیش رہے اور آج بھی ملک کا باخبر حلقہ دیکھ رہا ہے جبکہ اراکین جمعیۃ علماء ہند اسمبلی و پارلیمنٹ کی کرسیوں پر گورنمنٹ سے تنخواہ لے رہے ہیں۔ فضل حق کے علمی خاندان کا ایک کفن بردوش رہنما جس کا نام (مجاہد ملت) مولانا حبیب الرحمٰن ہے۔ وہ تحفظ ناموس رسول ﷺ کی خاطر سلطان پور اور غازی

پور کی جیل میں رسی بٹ رہا ہے۔

یہی وہ علماء اہل سنت ہیں جن کا نام تاریخ ہند میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

جس وقت علامہ دہلی سے بد دل ہوکر جھجھر، الور، ٹونک اور رام پور میں باعزت عہدہ سنبھالتے ہوئے۔ ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں حضور تحصیل کے مہتمم و صدر الصدور ہو گئے۔ بالا کوٹ کے حادثے نے قلب و دماغ پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ لکھنؤ پہنچنے کے کچھ دن کے بعد ہی ہنومان گڈھی اجودھیا کا حادثہ فاجعہ پیش آگیا۔ وہاں کے مہنتوں نے مسجد میں اذان دینا روک دیا تھا۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر اگر مسجد میں جا نکلتا تو مار پیٹ کر نکال دیا جاتا غرضیکہ جبر و ظلم اپنے شباب پر تھا۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ مطابق جولائی ۱۸۵۵ء شاہ م حسین اور مولوی محمد صالح اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد پر آمادہ ہوکر ہنومان گڈھی پہنچے۔ بیراگیوں سے مقابلہ ہوا۔ قرآن شریف پرزہ پرزہ کر کے پاؤں سے مسلا گیا۔ جوتے پہن کر داخل مسجد ہوکر سنکھ بجائے گئے۔ دو سو انہتر (۲۶۹) مسلمان شہید ہوئے۔ اس خونی حادثہ پر مولانا شاہ امیر علی رحمتہ اللہ علیہ ساکن امیٹھی سے نہ رہا گیا اور مسلمانوں کو آمادہ جہاد کیا جبکہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تب واجد علی شاہ والی لکھنؤ کو ہوش آیا۔ ان ہی دنوں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی مرد میدان ہو کر جہاد میں شریک ہوئے لیکن حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ ردر دلی جاتے ہوئے راہ میں ۲۶ صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۷ نومبر ۱۸۵۵ء بروز چہار شنبہ گوروں کی پلٹن نے گھیر کر مسلمانوں کو نماز ظہر باجماعت ادا کرتے ہوئے توپ کے گولوں سے شہید کر دیا جو بچ رہے تھے ان کا تعاقب راجہ شیر بہادر سنگھ کے آدمیوں نے دس (۱۰) بارہ (۱۲) کوس تک کر کے چھ سو آدمیوں کے سر اڑا دیئے "سر میداں کفن بر دوش دارم" (۱۲۷۲ھ) مادہ تاریخ

ہے۔

رسولی کے ایک مجذوب نے و انه علی ذالک لشهید سے تاریخ نکالی ہے۔ اسلامی حکومت میں خاص اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کی اس بیدردی سے خونریزی۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

آسمان تھرا اٹھا' زمین کو زلزلہ آگیا۔ خدا کا قہر لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کی شکل میں نمودار ہوا۔ دوشنبہ ۴' فروری ۱۸۵۶ء کو جنرل اوٹرم ریذیڈنٹ کپتان ہیز اور جنرل ویلہ گورنر جنرل کا عہدنامہ لے کر بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کے پاس آیا اور معزولی کا حکم دیا۔ بادشاہ نے دستخط سے انکار کرتے ہوئے ہزار منت و سماجت کی۔ لندن تک کوشش کی لیکن بے سود ثابت ہوئی۔یہاں تک کہ کلکتہ لے جاکر مٹیا برج میں بند کردیا۔ "لکھنؤ خراب شد واویلا" (۱۲۷۲ھ) تاریخ نکالی گئی۔ غرضیکہ اس طرح والیان اودھ کی مدت وزارت پینتالیس (۴۵) سال تین (۳) ماہ چوبیس (۲۴) دن ۱۲۷۲ھ اور مدت بادشاہت اکتالیس سال رہی اور والیان اودھ اپنے پیچھے عیش پرستی کی ہزاروں داستانیں چھوڑ گئے۔

سلطنت اودھ کی بربادی میں سب سے بڑا ہاتھ نواب میر علی نقی کا تھا۔امین الدولہ کی معزولی کے بعد ۱۹' رجب ۱۲۶۳ھ مطابق ۹' جولائی ۱۸۴۷ء کو یہ وزیر اعظم بنائے گئے۔ اسی کی اندرونی سازش کی بناپر واجد علی شاہ کو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

جنگ پلاسی ۱۸۵۷ء کے بعد میر جعفر نے شاہ عالم کے ساتھ بھی ڈرامہ کھیلا تھا اور اس طرح صوبہ بنگال ہاتھ سے نکل گیا۔ دکن میں میر صادق نے ۱۷۶۷ء میں شیر میسور سلطان ٹیپو کو دغا دے کر ہندوستان کی غلامی کا دائمی پٹہ انگریزوں کو لکھ دیا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن

خدا جانے میر علی نقی کو ڈاکٹر اقبال اس موقع پر کیوں بھول گئے؟

علامہ فضل حق کا بچپن جوانی اور کہولت دہلی میں گزرے۔ آخر میں لکھنؤ پہنچے وہاں کی حالت دہلی سے بدتر پائی۔ آخر الذکر نے لوٹیا ہی ڈبو دی تھی۔ مسجد ہنومان گڈھی شہید ہوگئی۔ مجاہدین اسلام کفار کے ہاتھ خاک و خون میں لتھڑے۔انھیں واقعات سے متاثر ہوکر علامہ فضل حق لکھنؤ چھوڑ کر ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے۔ مگر دل بے چین رہا کہ اتنے میں کچھ شورش اٹھتی نظر آئی۔ دربار دہلی سے راجاؤں کے نام خطوط بھی روانہ ہوئے۔ علامہ نے راجہ الور سے بھی گفتگو کی۔ نیز اور راجاؤں سے۔ لیکن وہ سب کے سب ایک مرکز پر اکٹھا نہ ہو سکے۔ اب مذہب عیسوی کی نشر واشاعت نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ کارتوسوں کی چربی سے دل کا غبار آتش فشاں پہاڑ بن کر پھوٹ پڑا۔ اس نے بارود پر فیتہ کا کام کیا۔ علامہ فضل حق الور سے نشر و اشاعت کرتے ہوئے اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں کارتوسوں کا قضیہ زور پکڑ چکا تھا گائے اور سور کی چربی کی آمیزش کی خبر سے ہندو اور مسلمان دونوں قومیں بگڑ اٹھی تھیں میرٹھ سے دہلی پر باغی فوج نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ بادشاہ دہلی سرگرمیوں کے مرکز بنے۔ علامہ فضل حق بھی شریک مشورہ رہے۔ منشی جیون لال کا روزنامچہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء' ۲' ۶ اور ۷ ستمبر ۱۸۵۷ء دیکھنے سے علامہ فضل حق کی باخبری و انقلابی سرگرمیوں کا انداز ہوتا ہے۔

آخر علامہ فضل حق نے ترکش سے آخری تیر نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدرالدین خاں' مولوی عبدالقادر' قاضی فیض اللہ' مولانا فیض احمد بدایونی' وزیر خاں اکبر آبادی' سید مبارک حسین رامپوری نے دستخط کردیے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی۔ بادشاہ گرفتار کر کے قلعہ میں بند کردیے گئے تین شاہزادوں کو قلعہ میں داخل ہوتے ہی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا اور ان کے سروں

کو خوان پوش سے ڈھک کر خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بطور تحفہ پیش کیا گیا۔
علامہ دہلی سے ۲۶ ستمبر' ۱۸۵۷ء کو روانہ ہوگئے تھے۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد
ہندوستانیوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی جن
مظالم کو لکھتے ہوئے دل لرزتا ہے' سینہ قلم شق اور جگر قرطاس پارہ پارہ ہوتا ہے۔ زندہ
مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے کڑھاؤ میں ڈلوانا' فتح پوری مسجد
سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمان کی لاشوں کو لٹکانا' مساجد کی
بے حرمتی' جامعہ مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کا باندھنا' حوض میں وضو کے پانی کی
جگہ گھوڑوں کی لید ڈلوانا۔ ناقابل معافی و غیر ممکن تلافی جرم ہیں۔ اب قتل و غارت
گری کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ علامہ فضل حق کو بھی باغی قرار دیا گیا۔ اسیر فرنگ ہو کر
بند ہوئے۔ ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ کی عدالت میں مقدمہ چلا علامہ کے
ثبات و استقلال' صداقت و حقانیت' بلند ہمتی و شیر دلی کے لئے سیر العلماء و غیرہ کی
عبارتیں کافی ہیں۔

۱۸۵۹ء میں فتوی جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا فضل حق ماخوذ ہو کر سیتا
پور سے لکھنؤ لائے گئے اور مقدمہ چلایا گیا۔ جج بار بار روکتا تھا کہ مولانا آپ کیا کہہ
رہے ہیں مگر مولانا کے شان استقلال پر قربان جائیے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے کہ وہ
فتوی صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے
مولانا کے اقرار توثیق کے بعد اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی چنانچہ عدالت نے
حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا' علامہ نے بکمال مسرت و خندہ
پیشانی اس سزا کو قبول فرمایا۔

یہی وہ مجاہد جلیل ہے جس نے سرزمین ہند پر آزادی ہند کی داغ بیل ڈالی' بالآخر
علامہ فضل حق جزیرہ انڈمان روانہ کر دیے گئے اور ادھر مولانا عبدالحق اور مولوی
شمس الحق' مفتی انعام اللہ خان' خواجہ غلام غوث وغیرہ نے میر منشی لیفٹیننٹ مغربی کی

معاونت سے اپیل داخل کردی۔ علامہ کے جزیرہ انڈمان پہنچنے سے پہلے مفتی عنایت احمد
کاکوروی مفتی مظہر کریم اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔ ان حضرات نے
وہاں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ مفتی عنایت احمد نے علم الصیغہ جیسی
صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی۔ تاریخ حبیب الہ بھی
جزیرہ انڈمان ہی میں لکھی گئی اور یہی اس کا تاریخی نام ہے۔ علامہ فضل حق نے بھی
کئی مفید تصانیف لکھیں علامہ اور ان کے ساتھیوں کو جزیرہ انڈمان میں کیا کیا تکلیفیں
جھیلنی پڑیں اور انھیں کیسے ذلت آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا ان سب کا تذکرہ علامہ کے
رسالہ **الثورۃ الہندیہ** میں موجود ہے۔

مولانا فضل امام کا وہ شاہزادہ جو کبھی ہاتھی اور پالکی پر بیٹھ کر باپ کی آغوش محبت
میں درس پاتا تھا آج وہی جزیرہ انڈمان میں اپنے سر پر ٹوکرا اٹھا رہا ہے۔ جس کو دیکھ
کر بعض انگریز بھی آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ ادھر علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس
الحق اور خواجہ غلام غوث وغیرہ رہائی کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ
مولوی شمس الحق صاحب پروانہ رہائی حاصل کر کے جزیرہ انڈمان روانہ ہوگئے۔ وہاں
جہاز سے اتر کر شہر گئے تو ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ بڑا اژدھام تھا۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق کا
انتقال ہوگیا اور اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

مولوی شمس الحق بھی بصد حسرت و یاس شریک جنازہ ہوئے اور بے نیل و مرام
لوٹے۔

قسمت کی بدنصیبی کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

افسوس ہمیشہ کے لیے آفتاب علم و عمل دیار غربت میں غروب ہوگیا اب تک مزار مبارک مرجع انام و زیارت گاہ خاص و عام ہے اور آج بھی قبر مبارک زبان حال سے کہہ رہی ہے۔

تلک آثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا الی الاثار

مولانا عبد اللہ بلگرامی لکھتے ہیں "فضل ان کے کفن میں مکنون اور علم ان کے ساتھ مدفون ہوگیا۔

انسانیت مولانا فضل حق کے نام پر جس قدر بھی آنسو بہائے کم ہے ایک طرف مولانا فضل حق کی تاریخ دیکھیے کہ انگریزوں کے جبر و ظلم سے سینہ چھلنی ہوگیا تھا اور دوسری طرف مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تاریخ دیکھیے کہ ان کی جنگ میں شریک ہونے کے لیے مسلم ملازمین کو حکومت کی طرف سے رخصت ملتی تھی۔ علامہ کے ساتھ کہاں وہ ظلم و ستم اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ساتھ کہاں یہ مروت و رعایت اب اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ انگریزوں کا پٹھو کون تھا وہ فضل حق جو انگریزوں کے خلاف فتوی جہاد دے کر مسلمانوں کو آبرو مندانہ زندگی دینا چاہتا تھا یا وہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جنھوں نے کلکتہ جامع مسجد کی تقریر میں یہ کہا تھا کہ انگریزوں پر اگر کوئی حملہ آور ہوا تو اس سے پہلے ہم جنگ کریں گے تاکہ انگریز سرکار کے دامن پر کوئی آنچ نہ آسکے اور انھیں انگریز بہادر کے لیے مولوی رشید احمد گنگوہی نے کہا تھا کہ انگریزوں کا زمانہ امن و عافیت کا زمانہ ہے۔

کاش! اب بھی میرے احباب علامہ فضل حق کی تاریخ پر نظر ثانی کرتے اور ان کے اس احسان عظیم کے سامنے اپنی گردنیں جھکا کر تاریخ کا صحیح جائزہ لیتے۔ علماء دیوبند علامہ فضل حق کی تاریخ پر غبار ڈالنے کی ہزار کوشش کریں مگر اس زندہ جاوید ہستی کا نام صفحات تاریخ سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔ " بالفرض تاریخ کو نذر آتش کر دیا

جائے تو انسانی قلوب سے علامہ کی عظمت و عقیدت کو کون چھین سکتا ہے جب تک اس آسمان کے نیچے اور سطح زمین پر انسان کی آبادی ہے اس وقت تک علامہ فضل حق کے فضل و کمال کا پرچم لہراتا رہے گا "۔

زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا!

مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی علمی و مجاہدانہ زندگی کی یہ ایک مختصر و ناتمام داستان عبرت ہے۔ جس میں علامہ کے مختلف گوشہائے زندگی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ فضل حق جس کی تصانیف درس نظامیہ میں داخل کیئے جانے کے قابل ہیں۔ کتب معقولات پر جس کے شروح و حواشی کو علماء اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ ہندوستان کا مانا ہوا شاعر مرزا غالب نے شعر و سخن میں جس کی اصلاح کو قبول کیا ہو۔ سرسید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و دیگر فاضل معاصرین نے جس فضل حق کو وقت کا امام و پیشوا سمجھا ہو۔ نواب یوسف علی خاں " والی رامپور " نے جس سے شرف تلمذ اختیار کیا اور محکمہ نظامت بھی آپ کے سپرد کر دیا ہو۔ نواب کلب علی خاں " نواب رام پور " نے جس کی شاگردی پر فخر کیا۔ دلی سے روانگی کے وقت سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار مرزا ابو ظفر بہادر شاہ نے علامہ کو اپنا دوشالہ اوڑھا دیا اور وقت رخصت آبدیدہ ہوکر کہا " چونکہ آپ جانے کو تیار ہیں۔ میرے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کر لوں مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے " ۔ مرزا غالب نے بھی اپنے خط میں اس المناک درد فراق کا تذکرہ کیا ہے۔

وا حسرتا! کہ آج اسی فضل حق کے دامن علم و ادب پر علماء دیو بند کیچڑ اچھال رہے ہیں اور صفحات تاریخ سے اس مرد مجاہد کا نام مٹا دینا چاہتے ہیں۔

کہاں حضرت علامہ فضل حق کا علمی رعب وجلال اور کجا مولوی اسماعیل دہلوی جن

پر خود علماء دیو بند نے جاہل' ملحد' زندیق' دین سے بے بہرہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر افسوس کہ آج مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان جس کا ہر صفحہ توہین نبوت و تنقیص اولیاء سے بھرپور ہے اس کو تو عین اسلام کہا جارہا ہے اور حضرت علامہ کی تصانیف جن کی ہر ہر سطر میں علم و فن کے سیکڑوں نکات ہیں۔ ان سے بے اعتنائی کا یہ عالم کہ صفحہ تاریخ پر مصنف کا نام تک دیکھنا گوارا نہیں اور میدان جہاد کا وہ سپہ سالار اعظم جس کو آزادی ہند کی خاطر گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ انگریز دشمنی میں جس کو جزیرہ انڈمان کی ناقابل برداشت سزائیں بھگتنی پڑیں۔ انگریز جیسے ظالم و سنگدل بھی جس کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔

بے ساختہ آج ان کے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا

علماء دیو بند کی نظر میں وہی فضل حق انگریزوں کا پٹھو اور مولوی اسمٰعیل دہلوی جنھوں نے انگریز دوستی میں لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا جن کے دامن پر نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون کی چھینٹیں ہیں اسی خون آلود دامن کو علماء دیو بند اپنے پروپیگنڈے اور زور قلم سے پاک و صاف کرنا چاہتے ہیں مگر یہ راز سربستہ اس وقت عیاں ہوگا جب قاتل خود ہی میدان قیامت میں یہ کہتا ہوا اٹھے گا

دامن کو لیے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل
کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

ناظرین کی انصاف پسند نگاہ پر اعتماد اور بھروسہ ہے کہ آپ حضرات نے اس مختصر سی تحریر کے بعد اپنے قلب و ضمیر کا فیصلہ حاصل کرلیا ہوگا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی جنگ زرگری کو حضرت علامہ فضل حق کی تحریک جہاد سے کوئی واسطہ اور نسبت نہیں۔ مولوی اسمٰعیل افغانی پٹھانوں سے جنگ کر رہے تھے اور انگریز بہادر یہاں سے سات ہزار کی ہنڈی بھیج رہے تھے اور حضرت علامہ جیسی بلند پایہ شخصیت جزیرہ انڈمان

میں کسمپرسی کے عالم میں عزم اور استقلال کی ایک تاریخ مرتب کر رہی تھی۔

سچ ہے دونوں اپنے پیچھے ایک تاریخ چھوڑ گئے مگر فرق اتنا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کی تاریخ نے اقوام عالم کے سامنے قوم مسلم کی گردن جھکا دی اور حضرت علامہ کی تاریخ نے ہماری علمی و قومی تاریخ کو سرفرازی بخشی۔

حضرت علامہ کی زندگی کے دو اہم پہلو ہیں آپ کی علمی و ادبی زندگی دیکھ کر بو علی سینا' غزالی' رازی' ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور آپ کے مجاہدانہ کردار سے حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مظلومیت کی خونی داستان آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جیسے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپنے میں پیغمبر خدا' جبرئیل امین' علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ناز برداریاں کیں مگر عمر کی آخری ساعت میں نبی کا لال مسافرت اور پردیس میں بے یار و مددگار شہید کیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایسے ہی فضل امام کا شاہزادہ فضل حق جو ہاتھی و پالکی پر چلتا تھا جو والیان ریاست و شہنشاہ وقت کا مخدوم اور پیارا تھا جو آسمان علم و ادب کا روشن ستارا اور چمنستان علم و حکمت کا شاداب پھول تھا وہ عمر کی آخری ساعتوں میں آزادی ہند کی خاطر کسمپرسی کے عالم میں شہید کیا گیا۔ ایسے ہی خیال فرمایئے کہ دریائے شور کو میدان کربلا سے کتنی مناسبت ہے۔ وہاں دریائے فرات پر یزیدی پہرے بٹھا دیے گئے تھے اور یہاں فطرت نے خود پہرہ بٹھا دیا ہے اور تاریخ کی اس مطابقت پر تو سر دھننے کو جی چاہتا ہے کہ جس طرح مسلم ابن عقیل کی کوفہ میں جس دن شہادت ہوتی ہے اسی دن حسین ابن علی کی مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لیے روانگی ہوتی ہے۔

ایسے ہی مولانا شمس الحق جس دن جزیرہ انڈمان میں پروانہ رہائی لے کر پہنچتے ہیں

توسب سے پہلے باپ کے جنازہ پر نگاہ پڑتی ہے۔ شاید اسی موقع کے لیے کسی شاعر نے کہا ہے۔

اے مالک تحریر یہ تقدیر ہے کیسی
راہوں میں مری آکے قضا کھیل رہی ہے

اے پرور دگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں' اے کائنات کے پالنہار جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو' اے خالق کائنات جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل و نہار ہو' اے رب کریم جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو' اس وقت تک امام المنطق و الفلسفہ' مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر مبارک پر ترے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو۔ "آمین"

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

کیا یہ لوگ مسلمان ہیں -- ! -- ! --؟

میدان حشر میں سرکار دو عالم ﷺ کی شفاعت کے امیدوارو !

دل کی آنکھوں سے پڑھو اور انصاف کرو کہ ----

آیا ان غلیظ و مکروہ عقائد کے حامل افراد مسلمان ہیں ؟

حضور اکرم ﷺ کے علم کو پاگلوں' بچوں اور جانوروں کے علم جیسا کہا گیا ہے۔

اصل عبارت ----

"پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنون (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

حفظ الایمان مصنفہ اشرف علی تھانوی صفحہ ۸
کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیو بند

دیو بندیوں کا کلمہ بھی ملاحظہ فرمایئے' جس کے پڑھنے کو اشرف علی تھانوی نے عین اتباع سنت کہا۔

خلاصہ اصل عبارت ----

اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے اپنے پیر کو اپنے خواب اور بیداری کا واقعہ لکھا کہ وہ خواب میں کلمہ شریف میں حضور اکرم ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کی جگہ اپنے پیر اشرف علی تھانوی کا نام لیتا ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جگہ لا الہ لا اللہ اشرف علی رسول اللہ (معاذ اللہ) پڑھتا ہے اور اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اپنے پیر سے معلوم کرتا ہے تو جواب میں اشرف علی تھانوی توبہ و استغفار کا حکم دینے کے بجائے کہتا ہے۔

"اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو' وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔"

الامداد' مصنفہ اشرف علی تھانوی صفحہ ۳۵
از مطبع امداد المطابع تھانہ بھون' انڈیا

حضور اکرم ﷺ کو خاتم النبیین ماننے سے انکار کیا گیا۔

اصل عبارت ۔۔۔۔

" اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ "

تحذیر الناس' مصنفہ قاسم نانوتوی صفحہ ۳۴
دارلاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ' کراچی۔

حضور اکرم ﷺ کے علم پاک سے شیطان و ملک الموت کے علم کو زیادہ بتایا گیا۔

اصل عبارت ۔۔۔۔۔۔

" شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ "

براہین قاطعہ' از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی
مصدقہ' مولوی رشید احمد گنگوہی' صفحہ ۵۱ مطبع بلال ڈھور

نماز میں حضور اکرم ﷺ کے خیال مبارکہ کے آنے کو جانوروں کے خیالات میں ڈوبنے سے بدتر کہا گیا ہے۔

اصل عبارت ۔۔۔۔

" زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کی خیال بہتر ہے اور شیخ یا انہی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت ماب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔ "

صراط مستقیم' اسماعیل دہلوی صفحہ ۱۶۹ اسلامی اکادمی' اردو بازار' لاہور

حضور اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا گیا " وہ بے اختیار ہیں۔ "

اصل عبارت ۔۔۔۔

" جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ "

تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان' مصنفہ اسماعیل دہلوی صفحہ ۴۳
میر محمد کتب خانہ' مرکز علم و ادب آرام باغ' کراچی

یہ وہ عبارات ہیں' جن کی بنیاد پر دیو بند کے اکابر اشرف علی تھانوی' قاسم نانوتوی' رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کو عالم اسلام کے اکابر علماء نے کافر قرار دیا۔ ملاحظہ ہو حسام الحرمین از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ اور الصارم الہندیہ از علامہ حشمت علی خان رحمتہ اللہ علیہ۔

اصل اختلاف ۔۔۔۔۔

اہلسنّت و جماعت و فرقہ وہابیہ بجدیہ کا اصل اختلاف یہ نہیں ہے کہ اہلسنّت و جماعت کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھتے ہیں اور وہابیہ اس کے منکر ہیں۔ اہلسنّت و جماعت نذر و نیاز کے قائل ہیں اور وہابیہ بجدیہ اس کو نہیں مانتے' اہلسنّت و جماعت مزارات پر حاضری دینا اور ان بزرگان دین کے توسل سے دعائیں مانگنا باعث اجر و ثواب سمجھتے ہیں جبکہ وہابیہ' دیو بندیہ اس کارخیر سے محروم ہیں بلکہ اصل اختلاف جس نے امت کو دو دھڑوں میں بانٹ دیا' وہ اکابر دیوبند کی وہ کفریہ عبارات ہیں کہ جن میں کھلم کھلا نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

اختلاف کا حل ۔۔۔۔۔

اگر آج بھی وہابیہ دیو بندیہ اپنے ان اکابر کی کفریہ عبارات سے توبہ کرکے ان تمام کفر آمیز و کفر خیز کتب سے بیزاری کا اظہار کرکے انہیں دریا برد کردیں تو اہلسنّت کا اعلان ہے کہ " وہ ہمارے بھائی ہیں۔ "